Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:9 (1976)

رسالتمآب صلعم اور اقبال رح

رحیم بخش شاہین

مقامِ عبدہٗ ایمان کی تکمیل کا انحصار جن عقائد پر ہے ان میں توحید کے بعد رسالت کا دوسرا درجہ ہے۔ نبی وہ ذات ہے جس کے ذریعے سے خدا اپنا پیغام انسانوں تک پہنچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور، ہر قوم اور ہر خطے میں اپنے برگزیدہ بندوں کو پیغام ہدایت دے کر بھیجا۔ اس لئے اسلام میں تمام انبیاء کرام کی صداقت پر ایمان لازمی ہے۔ اگرچہ بلحاظ فریضۂ نبوت انسانیت کی یہ محسن ہستیاں سب برابر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو بعض انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور آنحضورؐ کی ذات گرامی متعدد پہلوؤں میں جملہ انبیاء و رسل پر فضیلت رکھتی ہے۔ آپؐ کمال کے اس درجہ پر فائز تھے جسے حضرت مجدد الف ثانیؒ "مقامِ عبدیت" اور انسانیت و آدمیت کا اعلیٰ ترین مقام قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوقات حتیٰ کہ فرشتے بھی اس مقام سے فروتر ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے "جاوید نامہ" میں فلک مشتری پر منصور حلّاج کی زبان سے حضرت محمد مصطفےٰ[1] کی حقیقت پر یوں روشنی ڈالی ہے:

پیشِ اُو گیتی جبیں فرسودہ است　　　خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

عبدہٗ از فہم تو بالا تر است　　　زانکہ اُو ہم آدم و ہم جوہر است (جاوید نامہ: ۱۴۹)

آنحضورؐ نے خود کو عبدہٗ (یا عبداللہ - اللہ کا بندہ) فرمایا ہے لیکن دنیا آپؐ کی غلام ہے۔ انسان عبدہٗ کے راز کو سمجھنے سے قاصر ہے کیونکہ عبدہٗ آدمی بھی ہے اور جوہر بھی۔ اسی سلسلۂ کلام میں اقبالؒ نے

---

[1] اقبال نے "عبدہٗ" کی تشریح میں "جوہر" کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس کی مزید تشریح (باقی اگلے صفحہ پر)

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　http://iri.iiu.edu.pk/

آپؐ کو زمانہ کا جوہر قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ آپؐ ہی اقوام کے تقدیر ساز ہیں اور حیات و کائنات کی رونق کا سبب آپؐ ہی کا وجودِ مقدس ہے۔ عبد اور عبدہٗ کا فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ماسراپا انتظار او منتظر (جاوید نامہ: ۱۵۰)

گویا دونوں میں فرق یہ ہے کہ عبد مشتاق الٰہی ہے جبکہ عبدہٗ کا مشتاق خود اللہ ہے۔

حضورؐ کا کمال محسنِ انسانیتؐ سے پیشتر نبی اور رسول کسی نہ کسی خاص قوم، زمانے اور خطّے کے لئے مبعوث ہوتے رہے لیکن حضورؐ دیگر انبیاء کے برعکس تمام بنی نوع انسان کے لئے داعی حق بن کر آئے اور آپؐ نے اپنی خاص توجہ سے مشتِ خاک کو رشکِ طور بنا دیا۔ اقبالؒ "بالِ جبریل" میں فرماتے ہیں:

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادئ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

(بالِ جبریل: ۱۴)

حضور سرکار دوعالمؐ جب تشریف لائے تو دنیا اپنا ابتدائی عہد گزار کر جوانی کی حدود میں قدم رکھ رہی تھی لہذا آپؐ کی بعثت شبابِ حیات کی علامت ہے اور آپؐ کا فقر سرمایہ کائنات ہے۔ انسانیت کی نشوونما کے ابتدائی ادوار میں اسے قدم قدم پر انبیاء کی ضرورت پڑتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے پے در پے انبیاء بھیجے لیکن اب ایک ایسی منزل آگئی جہاں انسانیت کو حضورؐ کے بعد کسی دوسرے نبی اور رسول کی ضرورت نہیں رہی۔ "رموز بیخودی" میں ارشاد ہوتا ہے:

اے ظہور تو شباب زندگی جلوہ ات تعبیر خواب زندگی
از تو بالا پایۂ ایں کائنات فقر تو سرمایۂ ایں کائنات
در جہاں شمع حیات افروختی بندگاں را خواجگی آموختی

(اسرار و رموز: ۱۹۳)

(گزشتہ صفحہ سے آگے) کے لئے وہ مکتوب ملاحظہ کیجئے جو انھوں نے مولانا گرامی کے نام ۱۲ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو لکھا تھا اور مکاتیب اقبال بنام گرامی مرتبہ محمد عبداللہ قریشی کے صفحات ۱۴۷-۱۴۸ پر درج ہے۔

یعنی آنحضورؐ کا ظہور شباب زندگی کی علامت اور آپؐ کا جلوہ خواب زندگی کی تعبیر ہے۔ آپؐ ہی کے وجود سے کائنات کا رتبہ بلند ہوا اور اس بلندی کا باعث کسی شہنشاہ کی عظمت و سطوت یا دولت و حکومت نہیں بلکہ نبی اکرمؐ کا فقر تھا، جس کی تاثیر سے انسانیت کی محفل میں شمع حیات کو روشنی ملی اور عرب کے شتربانوں اور بدوؤں کو وہ مقام ملا کہ وہ دنیا بھر کی قوموں کے لئے علم، معاشرت اور سیاست وغیرہ میں معلم کی حیثیت اختیار کر گئے۔ انھوں نے قیصر و کسریٰ کے تاج اپنے پاؤں تلے روند ڈالے اور روئے زمین پر تہذیب و تمدن کی رفیع الشان عمارتیں تعمیر کیں۔

حضورؐ چونکہ سب سے آخر میں پیغامِ حق سنانے کے لئے تشریف لائے اس لئے اقبال نے آپؐ کی ذات کے لئے "معنیٔ دیریاب" کا معنی خیز خطاب استعمال کیا ہے:

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو — نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

(بالِ جبریل: ۱۵۳)

اللہ تعالیٰ نے جس کائنات کو لاکھوں سال پیشتر تخلیق کیا تھا اس کی معنوی تکمیل حضورؐ کے وجود مبارک کی صورت میں ہوئی:

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است — رحمۃ للعالمینی انتہا است (جاوید نامہ: ۱۴۸)

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفےٰ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است (جاوید نامہ: ۱۴۹)

ختمِ نبوّت

آپؐ کی دعوت کسی زمانے تک محدود نہیں اسی لئے آپؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کا امکان ہی ختم کر دیا گیا ہے اور اب رہتی دنیا تک آپؐ ہی کا پیغام جاری و ساری رہے گا۔ آپؐ نے نسلِ آدمؑ کو مکانی و زمانی وحدت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ اب کوئی آدمی خواہ دنیا کے کسی خطّے سے تعلق رکھتا ہو، کسی قوم کا فرد ہو، کوئی سی زبان بولتا ہو، اور کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو، آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی غلامی کے حلقہ میں داخل ہوئے بغیر نجات حاصل نہیں کر سکے گا اور آپؐ کے غلاموں میں رنگ، نسل، وطن، قوم وغیرہ مادی امتیازات کو کوئی وقعت حاصل نہیں۔ آپؐ کی برکت سے دنیا بھر کے لوگ ایک ہی برادری کے ارکان بن گئے ہیں۔ پھر آپؐ نے زندگی گزارنے کا ایسا لائحۂ عمل عطا کیا جو ہر طرح سے مکمل ہے اور جو ہر دور کے تقاضوں کی بطریق احسن تکمیل کر سکتا ہے اس میں کمی بیشی ناممکن

ہے۔ اس لئے آپؐ پر سلسلۂ نبوت قطعی ختم کر دیا گیا ہے۔ آپؐ کے بعد کسی نبی کی آمد متوقع نہیں اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ ایک طرح سے تکمیل دین اور آپؐ کی کاملیت، آپؐ کی تعلیمات کی ہمہ گیری اور ابدیت سے انکار اور امت میں انتشار پیدا کرتا ہے۔" رموزِ بیخودی" میں رسالت محمدیؐ کو مرکزِ ملت اور وحدتِ اسلامی کی بنیاد قرار دیتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں:۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد — بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را — او رسل را ختم و ما اقوام را
خدمت ساقی گری با ما گزاشت — داد ما را آخریں جامے کہ داشت
لانبی بعدی ز احسان خداست — پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است
قوم را سرمایۂ قوت ازو — حفظ سرِ وحدت ملت ازو (اسرار و رموز : ۱۱۸)

نیز یہ کہ

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید — وز رسالت تن ما جاں دمید
از رسالت در جہاں تکوین ما — از رسالت دین ما آئین ما
از رسالت ہم نوا گشتیم ما — ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما (اسرار و رموز : ۱۱۶)

مطلب یہ کہ خدا نے ہم پر شریعت ختم کر دی اور ہمارے رسول پر رسالت۔ اب زمانہ کی تمام رونق ہمارے دم قدم سے ہے۔ آپؐ پر رسالت ختم ہو گئی اور ہمارے بعد کوئی نئی امت مبعوث نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کا آخری جام عطا کر دیا۔ اب ساقی گری (دعوت دین) کا فریضہ امتِ مسلمہ کو انجام دینا ہے۔ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح دینِ مصطفےٰؐ کی ناموس برقرار رکھی۔ قوم کی قوت اور ملت کی وحدت آپؐ ہی کی ذات سے ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ملت کا پیکر بنایا تو رسالت سے ہمارے جسم میں روح پھونکی۔ گویا ہمارا وجود اور دستورِ حیات رسالت ہی سے ہے۔ رسالت سے ہمیں اتحاد و اتفاق اور مرکزیت کی ایسی نعمت ملی جس کی قیمت کا اندازہ ناممکن ہے۔

حضورؐ پر ایمان کا مطلب صرف آپؐ کی رسالت پر ایمان ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ آپؐ کو خدا کا آخری نبی اور سردار انبیاء تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبالؒ ختم نبوت پر گہرا اور مستحکم عقیدہ رکھتے تھے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ختم نبوت کا منکر دائرہ اسلام سے قطعی خارج ہو جاتا ہے۔

"اس (ختم نبوت) کے معنی بالکل سلیس ہیں۔ محمد صلعم کے بعد جنہوں نے اپنے پیروؤں کو ایسا قانون عطا کرکے جو ضمیر انسان کی گہرائیوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے آزادی کا راستہ دکھا دیا ہے، کسی اور انسانی ہستی کے آگے روحانی حیثیت سے سرِ نیاز خم نہ کیا جائے۔ دینیاتی نقطۂ نظر سے اس نظریہ کو یوں بیان کر سکتے ہیں کہ وہ اجتماعی اور سیاسی تنظیم جسے اسلام کہتے ہیں مکمل اور ابدی ہے۔ محمد صلعم کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں ہے جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو۔"[1]

اقبالؒ نے اپنے مشہور خطبات میں بھی فلسفیانہ انداز میں ختم نبوت کا اثبات کیا ہے۔ آپ کے خیال میں آنحضورؐ قدیم و جدید دنیا کے درمیان رابطہ قائم کرنے والے ہیں۔ آپ کی وحی کا سرچشمہ قدیم ہے اور وحی کی روح کے لحاظ سے آپ دورِ جدید سے متعلق ہیں آپ کی ذات گرامی میں حیات نے اپنے دھارے کے مطابق علم کے مزید سرچشمے دریافت کرکے نبوت کی ایسی تکمیل کر دی ہے کہ اب اس کے ختم کر دینے کی ضرورت کا یقین ہو گیا ہے۔

اقبال نے "ختم نبوت" کے مسئلہ کی بطور خاص تشریح اس لئے کی کہ ان کے دور میں پنجاب کے ایک قصبے "قادیان" میں مرزا غلام احمد نے اپنے آپ کو بتدریج محدث، مجدّد، امام مہدی، مسیح موعود اور بالآخر کامل نبی قرار دیا اور ساتھ ہی انگریزی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جہاد و قتال کی حرمت کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ اس کے خیال میں برطانوی حکومت رحمت کا سایہ تھی ۔ اقبالؒ جب اس فتنے کی حقیقت سے آگاہ ہوئے تو آپ نے چند سخت بیانات دیئے جن میں یہ ثابت کیا کہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور جو نئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ امت کی وحدت و مرکزیت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو حضورؐ کے بعد کسی اور کو نبی مانیں مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں[2]۔ پھر آپ نے اُردو مجموعہ کلام "ضربِ کلیم" میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کو ہدفِ تنقید بنایا۔ ان کے خیال میں اس دور میں ملتِ اسلامیہ کو ایسے الہام کی ضرورت ہے جو قوم کی مُردہ رگوں میں زندگی پیدا کر سکے اور یہ قرآن و

---

[1] حرفِ اقبال مرتبہ لطیف احمد خان شروانی، ص: ۱۳۹

[2] ایضاً۔ ص: ۱۱۳ - ۱۶۱

سنت میں موجود ہے۔ وہ الہام رد کر دینے کے قابل ہے جو جسد ملّت کو ناکارہ بنانے کا کام کرے۔ ایسی امامت و نبوت کو اقبال فتنہ اور ایسے الہام کو غارت گری کے ہم معنی قرار دیتے ہیں جو مسلمان کو محکومی کا سبق دے اور قوم کے لئے قوت و شوکت کا باعث نہ ہو، وہ کہتے ہیں :

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت　　ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار　(ضرب کلیم : ۴۰)

فتنۂ ملّت بیضا ہے امامت اس کی　　جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

ہو بندۂ آزاد اگر صاحب الہام　　ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے　　غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز

وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش　　جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام　(ضرب کلیم : ۵۳)

عشقِ رسولؐ

عقیدۂ نبوت کا لازمی نتیجہ حضورؐ سے انتہائی عشق و محبّت اور آپ کی اطاعت و اتباع ہے۔ اگر کوئی شخص آپؐ کو نبی تو مانتا ہے مگر اس کا دل آپؐ سے غایت درجے کی محبّت سے محروم ہے تو اس کا ایمان ہی مشتبہ و مشکوک ہے کیونکہ اگر آپؐ سے محبّت نہیں تو اطاعت و فرمانبرداری کی منزل طے نہیں ہو سکتی۔ ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک مسلمان آنحضورؐ کو اپنی اولاد، والدین اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب قرار نہ دے لے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو اور فارسی شعراء نے حضورؐ کے عشق کے لازوال نغمے تخلیق کئے اور نعت کے ایسے ایسے لعل و گوہر پیش کئے ہیں، جن کی مثال دنیا کی شاعری میں ملنی مشکل ہے۔ مولانا روم، مولانا جامی، شیخ عطار، حالی، ظفر علی خان ایسی بلند پایہ ہستیوں نے بارگاہِ رسالت میں عقیدت کے ایسے نذرانے اور نعت کے ایسے گلدستے پیش کئے ہیں کہ جن کی تاثیر سے شیدائیانِ رسولؐ قیامت تک لذّت اندوز ہوتے رہیں گے۔ لیکن اقبالؒ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے صرف آپؐ کے حسن و جمال اور آپؐ کے مقام رفیع ہی کی قصیدہ خوانی نہیں کی بلکہ آپؐ کی سیرتِ طیبہ اور حیاتِ مقدّسہ کو ایک لائق اتباع نمونے کی حیثیت دے کر مسلمانوں کے مُردہ دلوں میں اسلامی کردار کی روح تازہ پھونکنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ "اسرارِ خودی" میں آنحضرتؐ کو مسلمانانِ عالم کی آبرو، شہنشاہِ بوریا نشیں، خلوت گزینِ حرا، بانیٔ آئینِ نو، قاطع شہنشاہیت اور افضلِ کائنات قرار دیا ہے :

در دلِ مسلم مقامِ مصطفٰےؐ است　　آبروئے ما ز نامِ مصطفٰےؐ است

طور موجے از غبار خانۂ اش　　کعبہ را بیت الحرم کاشانۂ اش
کمتر از آنے ز اوقاتش ابد　　کاسب افزائش از ذاتش ابد
بوریا ممنون خواب راحتش　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش
در شبستان حرا خلوت گزید　　قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم　　تا بہ تخت خسروی خوابید قوم
وقت ہیجا تیغ او آہن گداز　　دیدۂ او اشکبار اندر نماز
در دعائے نصرت آمین تیغ او　　قاطع نسل سلاطین تیغ او
در جہاں آئین نو آغاز کرد　　مسند اقوام پیشیں در نورد
از کلید دیں در دنیا کشاد　　ہمچو او بطن ام گیتی نزاد

(اسرار و رموز : ۲۰)

اس کے بعد آپ نے مسلمان کی ہستی کو آنحضورؐ کی تجلّی گاہ، آپ کی گرد کو کوہِ طور سے برتر، آپ کو سرچشمۂ ایمان و یقین، مسلمان کی ترقی و عروج کا باعث اور امتِ مسلمہ کے باغ کے لئے ابرِ بہاری قرار دیا ہے۔ آپ کے خیال میں مسلم قوم انگور کی ایک ایسی بیل ہے جس کی سرسبزی و شادابی آپؐ ہی کی نظرِ کرم کی محتاج ہے۔ جب آپ کی ذات ایسے بلند کمالات کی حامل ہے، تو پھر عاشقِ رسول کو مدینۂ رسولؐ سے بے انتہا محبّت کیوں نہ ہو؟

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است　　اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است (اسرار و رموز: ۲۲)

علامہ اقبالؒ نے زوالِ مسلم کے سلسلہ میں بارگاہِ خداوندی میں شکوہ کیا تو خدا کا فرمان آیا کہ

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو　　چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو　　بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے　　(بانگ درا : ۲۳۱)

جب حقیقت یہ ہے تو زوال سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بھی حضرت محمدؐ سے وفا کے تقاضوں کی تکمیل میں مضمر ہے:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(بانگ درا: ۲۳۲)

لہٰذا مسلمانوں کے قومی مرض کا واحد علاج عشق رسولؐ میں پنہاں ہے:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے (بانگ درا: ۲۳۱)

یہ عشقِ رسولؐ ہی ہے کہ جس کی بدولت حضرت بلالؓ عظمت و ابدیت کے ایسے مقام پر فائز ہوئے کہ سکندر را ایسا بادشاہ بھی اتنی تگ و دو کے باوجود حضرت بلالؓ کے شان و شکوہ سے محروم ہے:-

اقبالؔ کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے (بانگ درا: ۲۷۳)

آنحضورؐ کا عشق مسلمان کا ساز و سامان ہے۔ آپ کی نگاہ جذبۂ عشق کی خالق ہے۔ آپ کی توجہ سرچشمہ حکمت و معرفت ہے۔ اقبالؒ کہتے ہیں:

ہر کہ عشق مصطفٰے سامان اوست بحر و بر در گوشۂ دامان اوست (پیامِ مشرق: ۸)

سید کُل صاحب ام الکتاب پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب (پیامِ مشرق: ۶)

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی کشتی و دریا و طوفانم توئی

(پس چہ باید کرد معہ مسافر: ۶۷)

اس لئے وہ حضورؐ کی ایک نگاہ کرم کی التجا کرتے ہیں:

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری
(بانگ درا: ۲۸۵)

نیز

مسلماں آں فقیر کجکلا ہے امید از سینہ او سوز آہے
ولش نالد، چرا نالد، نداند نگا ہے یا رسول اللہ نگا ہے (ارمغان حجاز: ۳۸)

اقبالؒ نے عشق رسولؐ کی ایک خوبصورت توجیہ کی ہے۔ ان کے خیال میں عشق رسولؐ پر اس قدر زور دینے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضورؐ کی ذات گرامی کی وساطت سے انسانیت کو وجود باری تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی۔

مے توان منکر یزداں شدن منکر از شان نبی نتواں شدن

اسی لئے آنحضورؐ کی ذات خدا سے بھی زیادہ محبوب نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں آپ سیرت صدیقؓ

کا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں :

"آپؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اللہ کے ساتھ زیادہ محبّت ہے یا رسولؐ اللہ کے ساتھ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا مجھے اللہ کے رسولؐ کے ساتھ زیادہ محبّت ہے کیونکہ آپؐ کی بعثت سے پہلے ہم بھی یہیں تھے اور اللہ بھی یہیں تھا، نہ اس نے ہم کو پوچھا نہ ہم نے اس کو پہچانا۔ اب جو اللہ کا رسولؐ آ گیا تو ہم نے اللہ کو پہچان لیا اور اللہ نے بھی ہم کو۔

اس کے بعد آپ نے اپنے دو شعر سنائے جنہیں آپ غلبہ رقت و گریہ کی وجہ سے بمشکل پورا کر سکے۔

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر ، بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر

قوت قلب و جگر گردد نبیؐ ، از خدا محبوب تر گردد نبیؐ (اسرار و رموز : ۱۷)[1]

اقبالؒ کے ہاں عشق رسولؐ کا ایک دلکش پہلو اور بھی ہے جس سے لطف اندوز ہونا ہر شخص کے ظرف کی بات نہیں۔ یہ مقامِ خاص ہے جس پر اقبالؒ فائز ہیں۔ اللہ کی جناب میں وہ بعض اوقات شوخی کا اظہار کر جاتے ہیں لیکن کیا مجال جو آنحضورؐ کی بارگاہ میں دامن ادب ہاتھ سے چھوٹ جائے اس ضمن میں آپ اس اصول پر عامل ہیں ؎

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

ایک بار ایک مسلمان نوجوان آپ سے ملنے آیا۔ وہ اپنی گفتگو میں بار بار سرور کائناتؐ کو محمد صاحب کہہ کر پکارتا۔ علامہؒ کو اس سے بے حد رنج ہوا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے اور دیر تک یہی کیفیت رہی۔ بعد میں دیگر احباب سے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا "جس قوم کے نوجوانوں کا یہ حال ہو اس کا کیا انجام ہوگا؟" یہی جذبہ تھا جس کے تحت آپ نے مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے اس اعلان پر کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ کڑی تنقید کرتے ہوئے فرمایا :

بمصطفٰےؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ، اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

(ارمغان حجاز : ۲۷۸)

نیز ؎

از مقام او اگر دور ایستی ، از میان معشر ما نیستی (اسرار و رموز : ۱۵۲)

---

[1] آئینہ اقبال، مرتبہ محمد عبداللہ قریشی ، ص : ۱۴

دانش از دست دادن مردن است چوں گل از باد خزاں افسردن است (اسرارو رموز: ۱۱۷)

سفر لندن کے دوران آپ فلسطین بھی گئے۔ وہیں آپ نے روضۂ اطہر پر حاضری کا قصد کیا لیکن اچانک ارادہ تبدیل کر دیا۔ جب آپ نے اس کی اطلاع اپنے رفیقِ سفر غلام رسول مہر کو دی تو انہیں اس سے بہت صدمہ ہوا۔ ان کے استفسار پر علامہ نے کہا کہ لندن کے سفر میں میرے لئے حضورؐ کے روضۂ مبارک پر حاضر ہونا مناسب نہیں۔ میں وطن واپس جاؤں گا اور اگر حضورؐ نے طلب کیا تو انشاءاللہ پھر حاضر ہوں گا۔ اسی وقت آپ نے اپنی نظم "ذوق و شوق" کہی جو بال جبریل میں درج ہے۔

آرزوئے مدینہ عمر کے آخری حصے میں عشق رسولؐ آپ پر اس حد تک غلبہ پا چکا تھا کہ جس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ آنحضورؐ کے اسم مبارک کے ذکر سے آپ پر رقت طاری ہو جاتی، آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، اکثر اس تمنا کا اظہار کرتے کہ حضورؐ کے مزار مبارک پر حاضری کا موقع نصیب ہو۔ اس سلسلہ میں حج بیت اللہ کا ارادہ بھی کیا۔ ۱۹۳۷ء میں سید غلام میراں شاہ کے نام متعدد خطوط میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ ایک خط میں رقمطراز ہیں:

"میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ حضورؐ کے روضۂ مبارک پر یاد بھی کیا جا سکوں۔ تاہم حضورؐ کے اس ارشاد سے جرأت ہوتی ہے" الطالح لی" یعنی گنہگار میرے لئے ہے۔ امید ہے کہ آپ اس دربار میں مجھے فراموش نہ فرمائیں گے"۔[۱]

مرض کی شدت اور نقاہت کی بنا پر سفر حجاز کے قابل نہ رہے۔ لیکن ذوق و شوق کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی آخری کتاب کا نام ہی "ارمغان حجاز" ہے اور اس کی ابتدائی رباعیات میں جگہ جگہ عشقِ رسولؐ کی روح لہراتی نظر آتی ہے۔ روانگیٔ مدینہ کے متعلق ایک رباعی ہے:

بدن وامانده و جانم در تگ و پوست سوئے شہرے کہ بطحا در رہ اوست
تو باش ایں جا و با خاصاں بیآمیز کہ من دارم ہوائے منزل دوست (ارمغان حجاز: ۲۳)

"ارمغان حجاز" ہی میں یہ رباعی بھی شامل ہے جو علامہ اقبالؒ کی ادب شناسی کی بین دلیل ہے:

بہ پایاں چوں رسد ایں عالم پیر شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر

---

[۱] اقبالنامہ (مکاتیب اقبال) مرتبہ شیخ عطاء اللہ ایم اے، حصہ اول، ص: ۲۲۸-۲۲۹

مکن رسوا حضور خواجۂ مارا　　حساب من ز چشم او نہاں گیر　(ارمغان حجاز : ۲۳)

یہ رباعی دراصل یوں تھی اور ایک شخص محمد رمضان عطائی نامی نے آپ سے یہ رباعی مانگ لی تھی:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر　　روز محشر عذر ہائے من پذیر

تو اگر بینی حسابم ناگزیر　　از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر [1]

بزرگانِ دین سے محبت حُبِّ رسولؐ ہی کا نتیجہ تھا کہ آپؒ کے صحابہ کرامؓ، اولیاء اللہ اور صلحائے امت کی شان میں اقبالؒ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ مدح سرائی کی۔

حضرت بلالؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت مجدد الف ثانیؒ، اورنگزیب عالمگیرؒ، بوعلی قلندرؒ، خواجہ علی ہجویریؒ کو اقبالؒ نے امتِ مسلمہ کے لئے لائق تقلید قرار دیا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان تمام ہستیوں کا سب سے بڑا وصف عشقِ رسولؐ ہے۔ جس سے ان کا قلب و دماغ سرشار تھا۔

اطاعت رسولؐ عقیدہ نبوت کا ایک لازمی تقاضا اطاعت رسولؐ ہے۔ عاشق کی ذات میں محبوب کے شمائل کا عکس ضروری ہے۔ اقبالؒ نے اطاعت رسولؐ کے مسئلہ کی وضاحت کے لئے انتہائی مؤثر اور معنی خیز اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔ "جاوید نامہ" میں "زندہ رود" کے سوال کے جواب میں منصور حلاج رحمت عالم کے دیدار کا عملی طریقہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ آپؐ کا دیدار بیداری میں بھی ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ زندگی کے ہر پہلو میں اور ہر شعبے میں آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی جائے۔ جو شخص جس حد تک سیرت نبویؐ کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالتا جائے گا اسی حد تک وہ تجلیات نبویؐ کا مظہر بنتا چلا جائے گا:

معنیٔ دیدار آں آخر زماں　　حکم اُو بر خویشتن کردن رواں

در جہاں زی چوں رسول انس و جاں　　تا چوں اُو باشی قبول انس و جاں

باز خود را بیں ہمیں دیدار اوست　　سنتِ او سرے از اسرار اوست　(جاوید نامہ : ۱۵۱)

ایک مرتبہ آپ نے ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کہ ان سے کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ آنحضرتؐ کا دیدار

---

[1] اقبال نامہ (مکاتیب اقبال) مرتبہ شیخ عطاء اللہ ایم اے، حصہ اوّل، ص : ۳۳۸-۳۳۹

کس طرح ہو سکتا ہے؟ بزرگ نے جواب دیا کہ پہلے اسوۂ حسنہ کو اپنا شعار بناؤ اور زندگی اس سانچے میں ڈھالو پھر اپنے آپ کو دیکھو یہی آنحضرتؐ کا دیدار ہے۔

مسلمان کی عظمت کا راز اتباع رسولؐ میں پنہاں ہے:

بمنزل کوش مانند مہ نو   دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر   بحق دل بند و راہ مصطفےؐ کرد   (ارمغان حجاز: ۸۹)

تا شعار مصطفےؐ از دست رفت   قوم را رمز بقا از دست رفت   (اسرار و رموز: ۱۴۸)

لاہور میں اقبالؒ نے میلاد النبیؐ کے ایک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے یوم میلاد منانے کے لئے درود پڑھنے، انفرادی و اجتماعی ذکر و مطالعۂ سیرت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

"تیسرا طریقہ اگرچہ مشکل ہے لیکن بہر حال اس کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ یادِ رسولؐ اس کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہو جائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو کیفیت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مقدس سے ہویدا تھی وہ آج ہمارے قلوب کے اندر پیدا ہو جائے"[1]

حضرت مولانا روم فرماتے ہیں:

آدمی دید است باقی پوست است   دید آں باشد کہ دید دوست است

مقام حدیث ان واقعات و اشعار سے منکرینِ سنّت کے اس فریب کا پردہ بھی چاک ہو جاتا ہے کہ علامہ اقبال صرف قرآن کے قائل تھے اور سنت و حدیث رسولؐ کو مستند تصوّر نہیں کرتے تھے۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے "اقبال" کے بارے میں اپنے تاثرات کے ضمن میں لکھا ہے:

"حدیث کی جن باتوں پر نئے تعلیم یافتہ نہیں پُرانے مولوی تک کان کھڑے کرتے ہیں اور پہلو بدل بدل کر تاویلیں کرنے لگتے ہیں یہ ڈاکٹر آف فلاسفی ان کے ٹھیٹھ مفہوم پر ایمان رکھتا تھا اور ایسی کوئی حدیث سن کر ایک لمحے کے لئے بھی اس کے دل میں شک کا گزر نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان کے سامنے بڑے اچنبھے کے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] مقالات اقبال مرتبہ سیّد عبد الواحد معینی، ص: ۱۹۶

علیہ وسلم اصحابِ ثلاثہؓ کے ساتھ کوہ احد پر تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں احد لرزنے لگا اور حضورؐ نے فرمایا کہ ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبیؐ، ایک صدیقؓ اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا اقبالؒ نے حدیث سنتے ہی کہا کہ اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے؟ میں اس کو استعارہ و مجاز نہیں بلکہ ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لئے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے آ کر مادے کے بڑے سے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں۔ مجازی طور پر نہیں واقعی لرزا ٹھتے ہیں"۔[1]

راجہ نریندر ناتھ کے ہاں دعوت چائے میں شرکت کے لئے گئے تو ہرن کی کھال کے فرش پر اس لئے نہ چلے کہ آنحضورؐ کے فرمان کے بموجب ہرن کی کھال پر بیٹھنے یا چلنے سے انسان کے دل میں لاشعوری طور پر غرور پیدا ہو جاتا ہے۔

۱۹۳۳ء میں ایک نوجوان نے کہا کہ "حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ آنحضرتؐ جب چلتے تو درخت تعظیم کے لئے جھک جاتے تھے"۔ اس نوجوان کے خیال میں یہ واقعہ ناقابل توجیہ تھا۔ آپ نے فرمایا "اگر تمہیں عمرؓ کی آنکھ نصیب ہو تو تم بھی دیکھو گے کہ دنیا ان کے سامنے جھک رہی ہے"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ علامہ اقبالؒ کو حدیث و سنت کی صداقت پر گہرا یقین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بہت سی حدیثوں کو اپنے کلام نظم و نثر میں تلمیح یا دلیل کے طور پر استعمال کیا ہے بلکہ ان کے فلسفے کے اہم اور بنیادی اجزاء کا پس منظر معلوم کرنے کے لئے حدیث رسولؐ کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

معراج کی اہمیت

سرور کائناتؐ کی شان محبوبیت کا ایک مہتم بالشان پہلو یہ بھی ہے کہ آپؐ نے رات کے کچھ حصے میں خدائے بزرگ و برتر کی مرضی سے افلاک اور کائنات کی وسعتوں میں قدرت کے سربستہ رازوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا۔ واقعہ معراج انسانی زندگی کی ترقیوں کے وسیع اور لامتناہی امکانات کا حامل ہے۔ "جاوید نامہ" میں اقبال حقیقت معراج پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

چیست معراج؟ انقلاب اندر شعور ... از شعور است ایں کہ گوئی نزد و دور

دار ماند جذب و شوق از تحت و فوق ... انقلاب اندر شعور از جذب و شوق

---

[1] حیات اقبال کا ایک سبق مندرجہ مجلہ "جوہر" اقبال نمبر

این بدن باجان ما انباز نیست مشت خاکے مانع پرواز نیست (جاوید نامہ: ۲۰)

معراج اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی خودی اپنی انتہائی بلندی پر پہنچنے کے باوجود اللہ کے عین روبرو اپنی ہستی کو برقرار رکھتی ہے۔ یہی خودی کی معراج ہے یہ انسانیت کی تکمیل کا اظہار ہے؟ آدمیت کا شرف دیگر مخلوقات پر اسی حقیقت میں پوشیدہ ہے۔ یہاں انسان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ' انسان کی آنکھ اللہ کی آنکھ اور غرضیکہ انسان مکمل طور پر مرضیٔ خداوندی سے مطابقت و موافقت کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں کار کشا کارساز (بال جبریل: ۱۳۲)

اب آسمان اور اس کے جملہ نظام انسانی تگ و تاز کی زد میں ہیں اور انسان کے لئے تسخیر مہ و مہر کا کام کوئی دشوار نہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰؐ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز کر سکتا ہے وہ ذرّہ مہ و مہر کو تاراج
ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ثریّا ہے سیر سراپردۂ جاں نکتۂ معراج
تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج (ضرب کلیم: ۹)

یہ معراج نبوی کا وہ سبق ہے جس کا تعلق انسانی عظمت و شرف کے اظہار سے ہے۔ رہی روحانی بلندی تو آنحضورؐ کی بلند مقامی کا تصوّر بھی ناممکن ہے۔ تاہم آپؐ ہی کے طفیل امتِ مسلمہ کے افراد کو "نماز" کے ذریعے معراج کے ہلکے سے تصوّر کی سعادت عطا کی گئی ہے۔ نماز بھی حقیقت میں معراج انسانیت کا ذریعہ ہے، جس کا تعلق کسب و محنت سے ہے جبکہ آنحضورؐ کی معراج ذات سبحانہ' کی عطائے خاص تھی جس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں۔ "پس چہ باید کرد" میں اس نکتہ کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:۔

دربدن داری اگر سوز حیات ہست معراجِ مسلماں در صلوٰت (پس چہ باید کرد: ۵۰)

اسی نکتے کی مزید وضاحت "اسرار خودی" میں اس طرح کی گئی ہے:۔

لا الہ باشد صدف گوہر نماز قلب مسلم را حج اصغر نماز
درکف مسلم مثال خنجر است قاتل فحشا و بغی و منکر است